از پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی

ہم نماز تراویح بیس رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے تمہارے لئے اس کا قیام سنت بنایا ہے۔(نسائی، کتاب الصیام باب ثواب من قیام رمضان) جو شخص اعتقاد اور اجرو ثواب کی امید کی حالت میں قیام کرے گا۔ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔(بخاری کتاب الصوم، باب فضل من قیام رمضان) خود رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے یہ نماز مسجد میں باجماعت تیسویں شب کو تہائی رات تک پچیسویں شب کو نصف رات تک اور ستائیسویں شب کو سحری کا وقت ختم ہونے کے قریب تک (ترمذی، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان) کل تین رات ادا فرمائی۔ اگلی رات مجمع کی کثرت کے باوجود صبح کی نماز سے پہلے باہر تشریف نہ لائے، نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: تمہارا موجود ہونا مجھے معلوم تھا مگر میں اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم اسے نباہ نہ سکو (بخاری، باب فضل من قیام رمضان) اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا باجماعت اہتمام بند کر دیا مگر لوگوں سے فرمایا: پس تم پڑھتے رہو (مشکوٰۃ، باب قیام شہر رمضان الفصل الاول) اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے طور پر اکیلے اکیلے یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں یہ نماز ادا کرنے لگے، ایک رات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو قرآن مجید یاد نہیں وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں یہ نماز ادا کر رہے ہیں۔ تو خوش ہو کر فرمایا: انہوں نے بہت ہی اچھا اور درست کام کیا (آثار السنن از محدث نیموی باب فی جماعۃ التراویح)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پورا دور اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابتدائی دور میں اعتقادی فتنوں کی سرکوبی میں گزر گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ امر مانع (یعنی فرضیت کا امکان) باقی نہ رہنے کی وجہ سے مسجد میں دوبارہ اس کی جماعت کا باقاعدہ اہتمام شروع فرما دیا اور اپنے اس عمل کو نعم البدعہ (اچھی بدعت) کہا، اس کی امامت کے لئے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا (بخاری، باب فضل من قیام رمضان) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیس رکعت اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۲۲، ص ۲۷۲ مطبوعہ ریاض)

شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہر ایسے کام کو کہتے ہیں جس کا اصل شریعت میں موجود نہ ہو جبکہ نماز تراویح اور اس کی جماعت دونوں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اگر بالفرض ایسا نہ بھی ہوتا اور اسے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شروع فرمایا ہوتا تو بھی اسے اصطلاحی معنی میں بدعت نہیں کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ ایک تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے۔ اور خلیفہ راشد کا عمل بدعت نہیں سنت کہلاتا ہے (مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی) دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق رکھ دیا (ترمذی، مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) تیسرے یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کا حکم فرمایا (ترمذی، مناقب ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ) چوتھے یہ کہ سنت اور بدعت کی حقیقی پہچان رکھنے والی مقدس جماعت یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سے کسی انکار و اعتراض کے

بغیر قبول فرمالیا پانچویں یہ کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے نعم یعنی ایسا مستحسن کام کہا جو اپنے اندر بھلائیاں ہی بھلائیاں لئے ہوئے ہو، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسے بدعت کہنا اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ لغوی معنی الامر البدیع یعنی نہایت عمدہ کام) ہیں تھا۔

ایسا کام جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو اور اسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اور تعلق قائم رکھنے کے لئے کیا جائے سنت کہلاتا ہے۔ اور سنت دو قسم کی ہوتی ہے ایک عصر اور ایک عشا کی طرح (استحبابی یا غیر موکدہ یعنی) ایسی سنت جس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہمیشگی ثابت نہ ہو، اس کا کرنا ضروری تو نہیں ہوتا مگر کرنے پر اجرو ثواب بہت ہے اور دوسری فجر، ظہر اور مغرب وغیرہ کی سنتوں کی طرح (تاکیدی یا موکدہ یعنی) ایسی سنت جس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہمیشگی ثابت ہو، اس کا چھوڑ دینا انتہائی محرومی اور بد نصیبی کی بات ہے، نماز تراویح کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت فرمایا اور بیس رکعت کی صورت میں اس باجماعت اہتمام پر ہمیشگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ خلفاء راشدین سے ثابت ہے۔ اس لئے یہ سنت استحبابی نہیں بلکہ سنت تاکیدی ہے۔ اور اسے کسی شرعی عذر یا مجبوری کے بغیر چھوڑ دینا یا بیس سے کم رکعتوں کی صورت میں پڑھنا باعث ملامت بھی ہے۔ اور اجرو ثواب سے محرومی بھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت ادا فرمایا کرتے تھے (اعلاء السنن از محدث ظفر احمد عثمانی، جز ۷ ص ۷۱ بحوالہ ابن ابی شیبہ السنن الکبریٰ از محدث بیہقی ج ۲، ص ۴۹۶)

(i) اس حدیث کی سند میں اوپر سے چوتھے نمبر پر ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے۔ جس کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے۔ مگر یہ راوی ایسا ضعیف بھی نہیں کہ اس کی روایت کو بے اصل یا یکسر ناقابل قبول قرار دے دیا جائے (اعلاء السنن جز ۷ ص ۷۱)۔ (ii) اس روایت کے مقابلے میں کوئی ایسی صحیح حدیث موجود نہیں جس میں نماز تراویح کی رکعتوں کی واضح تعداد بیان کی گئی ہو۔ (iii) یہ حدیث غیر فرض و غیر واجب عبادات سے متعلق ہے۔ اور ایسی عبادات میں ضعیف سند کی حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔ (فتح الملہم شرح صحیح مسلم از محدث شبیر احمد عثمانی ج ۲، ص ۳۲۰)۔ (iv) جس حدیث پر علماء امت نے عمل کیا ہو یا اسے قابل عمل قرار دیا ہو سند کی کمزوری کے باوجود عمل کے لحاظ سے وہ حدیث ضعیف نہیں رہتی کیونکہ سند کا ضعف متن کا صحیح ہونا غیر یقینی بنا دیتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی: اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائیں گے (مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی) کے مطابق علماء امت کا تعامل اسے صحیح اور یقینی بنا دیتا ہے۔ (v) بیس رکعت تراویح ایسا مسئلہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر آج تک علماء امت کے تعامل، تواتر اور توارث کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس میں حدیث کا صحیح ہونا تو درکنار حدیث کا موجود ہونا بھی ضروری نہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل از محمد یوسف لدھیانوی ج ۳، ص ۳۴)۔ (vi) یہ حدیث سنداً ضعیف راوی سے بعد کے لوگوں کے لئے تو ضعیف ہو گی مگر اس سے پہلے لوگوں کے لئے ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہو گی، اس راوی سے پہلے لوگوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین کا عمل اس کے مطابق یعنی

بیس رکعت تراویح کا تھا۔ اس لئے اس عملی تائید کی وجہ سے یہ حدیث اس ضعیف راوی سے بعد والے لوگوں کے لئے بھی عمل کے لحاظ سے ضعیف نہیں رہے گی۔ بلکہ صحیح سند کی حدیث سے بھی زیادہ قابلِ عمل ہو جائے گی۔ (vii) اس ضعیف راوی کی وجہ سے اس حدیث کو ناقابل عمل قرار دینے والے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی دلیل میں سنن ابن ماجہ کی جو حدیث پیش کرتے ہیں۔ (صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم از حکیم محمد صادق سیالکوٹی ص ۴۳۴) اس کی سند میں یہی راوی یعنی ابراہیم بن عثمان موجود ہے۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فی القراءۃ علی الجنازہ)

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

مگر فرق یہ ہے کہ ہم نے اس راوی کی حدیث غیر فرض عبادت میں، انہوں نے فرض عبادت میں۔ ہم نے فضائل میں، انہوں نے مسائل میں، ہم نے خیر القرون اور بعد کے علماء امت کے تعامل کی وجہ سے، انہوں نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی تائید نہ ہونے کے باوجود، ہم نے اس کے مقابلے میں صحیح حدیث مروی نہ ہونے کی وجہ سے، انہوں نے اس کے برعکس عمل کی احادیث کی موجودگی کے باوجود، پیش کی ہے۔ پھر یہ کہ ہماری بیان کردہ حدیث کا مفہوم واضح ہے جبکہ ان کی پیش کردہ حدیث کے مفہوم میں محدثین و فقہا میں اختلاف ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ثنا کے طور پر ہے۔ یا قراءت کی حیثیت سے؟ کیونکہ اگر ثنا کے طور پر ہے۔ پھر تو دعا کی ترتیب کے اصول یعنی پہلے ثنا پھر درود شریف اور پھر کلمات دعا سے مطابقت قائم رہتی ہے۔ اور اگر قراءت کی حیثیت سے ہے تو پھر جب نماز جنازہ کی ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے تو نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا ہر ایک کے لئے خود پڑھنا لازمی سمجھنے والوں کے لئے چار بار کی بجائے صرف ایک بار پڑھنا کیسے کافی ہو گیا؟

آٹھ رکعت کا دعویٰ کرنے والوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائیں (صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۸۱)

(i) بیس کی روایت میں مستقل معمول اور آٹھ کی روایت میں ایک بار کا عمل بیان کیا گیا ہے ایک بار کے عمل پر مستقل معمول کی ترجیح واضح ہے۔ (ii) آٹھ رکعت کی روایت میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے جب کہ بیس رکعت کی روایت میں پڑھانے کا نہیں پڑھنے کا ذکر ہے جو بعد کا واقعہ ہے کیونکہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی (تذکرۃ الحفاظ اردو، جلد ۱، ص ۵۳) انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات قریب سے دیکھنے کا موقع سات ہجری کے بعد ملا جب ان کی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، ظاہر ہے کہ بعد کے عمل کو پہلے عمل پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ (iii) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں بیس رکعت باجماعت نماز تراویح کا اہتمام چودہ ہجری میں شروع کیا۔ آٹھ رکعت کی حدیث کے راوی یعنی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال چورانوے (۹۴) سال کی عمر میں اٹھتر (۷۸) ہجری میں ہوا (تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۵۵) آپ مدینہ منورہ کے مفتی تھے، آپ کے شہر میں آپ کی موجودگی چونسٹھ سال تک نماز تراویح باجماعت بیس

رکعت ادا کی جاتی رہی۔ مگر اس حدیث کے حوالے سے آپ سے کوئی انکار یا اعتراض مروی نہیں۔ (iv) یہ روایت سنداً بھی انتہائی کمزور ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے اکیلے راوی عیسیٰ بن جاریہ کو امام نسائی نے منکر الحدیث اور متروک (میزان الاعتدال از محدث ذہبی جلد ۳ ص ۳۱۱) امام ابو داؤد نے منکرالحدیث (آثارالسنن مکتبہ امدادیہ ص ۲۴۹) امام یحییٰ بن معین سمیت متعدد ماہرین حدیث نے ضعیف کہا ہے (احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ج ۳، ص ۵۱۳-۵۱۴) (v) عیسی بن جاریہ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے اکیلے راوی یعقوب بن عبداللہ قمی کو امام دار قطنی نے غیر قوی یعنی ضعیف راوی شمار کیا ہے (میزان الاعتدال ج ۴، ص ۴۵۲) (vi) صحیح سند کی ایسی حدیث جس کا متن، علماء امت بالخصوص خیر القرون میں معمول کی حیثیت نہ رکھتا ہو قابلِ عمل ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی کجا یہ کہ ایسی روایت کو جس کی سند میں بعد کا کوئی ایک راوی نہیں بلکہ صحابی رضی اللہ عنہ کے بعد یکے بعد دیگرے دو راوی ناقابلِ اعتبار ہوں بطور دلیل کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟ (vii) ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے اور عبادت کی اصل قلت سے کثرت ہے فرض نمازیں دو سے پانچ ہوئیں اور چار رکعتیں پہلے دو تھیں، روزے دنوں کے تھے پھر ایک مہینے کے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے (سات ہجری میں) عمرہ فرمایا اور پھر (دس ہجری میں) حج فرمایا، بیس رکعتوں میں کثرت اور آٹھ میں قلت ہے اگر آٹھ رکعتیں ثابت بھی ہو جائیں تو بھی یہ پہلا عمل ہوگا۔ اور بیس رکعتوں کو آخری عمل ہونے کی حیثیت سے ترجیح دی جائے گی، دوسرے یہ کہ رمضان المبارک میں ہر عمل کا اجر ستر گنا ہو جاتا ہے (مشکوۃ، کتاب الصوم، الفصل الثالث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام رمضان کی خصوصی ترغیب دی ہے اور ترغیب بذات خود کثرت کی دلیل ہے جبکہ رکعتوں کی تعداد میں اضافے کی ممانعت یا دنفت کی کراہت وغیرہ کی صورت کوئی شرعی رکاوٹ بھی موجود نہیں بلکہ بیس رکعت کی ادائیگی پورے دن کی فرض اور واجب (سترہ رکعتیں فرض اور تین وتر) رکعتوں کی مجموعی تعداد اور پانچ نمازوں کی بارہ موکدہ (فجر کی دو، ظہر کے چھے، مغرب کی دو، اور عشا کی دو) اور آٹھ غیر موکدہ (عصر کی چار اور عشاء کی چار) سنتوں کی مجموعی تعداد دونوں سے مطابقت رکھتی ہے، تیسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رات سے دوسری رات اور دوسری سے تیسری رات زیادہ وقت نماز ادا فرمائی جس طرح پہلی رات کے مقابلے میں تیسری رات میں وقت کی کثرت ہے، اسی طرح آٹھ کے مقابلے میں بیس میں تعداد کی کثرت ہے، چوتھے یہ کہ نماز تراویح فرض یا واجب نہیں بلکہ تطوع (رغبت کے ساتھ کثرت سے کی جانے والی) عبادت ہے اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ: الصلواۃ خیر موضوع فمن استطاع ان یستکثر فیستکثر (فتح الملہم ج ۲، ص ۳۱۹ بحوالہ طبرانی اوسط، بہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) نماز بہترین عمل ہے پس جو اس میں کثرت کی طاقت رکھتا ہو اسے، چاہیئے کہ وہ اس میں کثرت کرے۔ بیس اور آٹھ میں سے کثرت آٹھ میں نہیں بیس میں ہے۔

آٹھ رکعت کی دلیل میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی پیش کی جاتی ہے۔ کہ: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے گھر کی عورتوں کے اصرار پر انہیں نماز وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا (صلواۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۸۳)

(۱)　حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد مسجد نبوی میں خود تین رکعت وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح کی امامت فرماتے رہے ہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳، ص ۱۱۲) گویا ان کے نزدیک بھی آخری یا قابلِ ترجیح عمل آٹھ رکعت نہیں بلکہ بیس رکعت تھا۔ (۲) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اپنی وفات (انیس (۱۹) یا بائیس (۲۲) ہجری تک پانچ یا سات سال بیس رکعت ہی پڑھتے رہے (کیونکہ کسی روایت میں تبدیلی مذکور نہیں) مگر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے مقیم اور یہاں کے مفتی ہونے کے باوجود انہیں ایک بار بھی یہ واقعہ یاد نہ دلایا؟ (۳) اس حدیث کے سند کا انحصار بھی اوپر والی حدیث کی طرح عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب قمی دو ضعیف راویوں پر ہے لہذا یہ روایت متن کے لحاظ سے ناقابلِ عمل ہونے کے علاوہ سند کے لحاظ سے بھی انتہائی کمزور ہے۔

خود کو اہلِ حدیث کہنے والے حضرات کے لئے یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یعقوب قمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے مذہبی گروہ سے تعلق رکھتا ہو؟ اور اس کے ہم مذہب فتنہ پردازوں نے ان کی سادہ لوحی کی وجہ سے ان کے حدیث پر عمل کرنے کے جذبے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پہلے انہیں اسلاف سے وابستگی کے واحد ذریعے یعنی تقلید سے بیزار کر کے فقاہت سے تہی دامن کر دیا ہو اور پھر دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اپنا آلہ کار بنا لیا ہو تا کہ اگر مسلمان تراویح کے انکار میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے تو کم از کم بیس کے عدد کا انکار کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں جزواً تو ہمارے جیسے ہو جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے، چار رکعت ادا کرتے پس تو ان کا حسن و طول مت پوچھ، پھر چار رکعت ادا کرتے پس تو ان کا حسن و طول مت پوچھ پھر تین رکعت ادا فرماتے تھے پس میں نے پوچھا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ وتر ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا (بخاری، باب فضل من قیام رمضان)

(۱)　اس حدیث کو آٹھ رکعت تراویح کی دلیل کے طور پر پیش کرنے والوں کا خود اپنا عمل اس حدیث پر نہیں کیونکہ اس میں چار چار رکعت اکٹھی پڑھنے کا ذکر ہے (صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۰۷) جبکہ یہ دو دو کر کے پڑھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں رمضان و غیر رمضان دونوں میں نمازِ وتر کا ہمیشہ کا عمل تین رکعت بیان کیا گیا۔ جبکہ یہ کثرت ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ (۲) اس میں اس نماز کا ذکر ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں یعنی بارہ مہینے پڑھی جاتی ہے۔ وہ تراویح نہیں تہجد ہے، تراویح تو خاص رمضان المبارک کی نماز ہے نیز یہ کہ اس میں وتر سے پہلے سو جانے کا ذکر ہے مگر جن تین راتوں میں آپ صلی اللہ علی وسلم نے تراویح پڑھائی نہ اس میں نیند فرمانے کا ذکر ہے اور نہ ہی اس کا امکان ہے۔ (۳) اگرچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو تہجد کے متعلقہ باب کے علاوہ قیام رمضان کے باب میں بھی نقل کیا ہے مگر اول تو بخاری شریف کے ابواب حدیث نہیں بلکہ امام بخاری کے اجتہاد کا نتیجہ ہیں دوسرے یہ کہ ان کا ایسا کرنا تراویح کی تعداد بتلانے کے لئے نہیں کیونکہ اگر ان کا یہ مقصود ہوتا تو وہ تہجد کی طرح فضائل کے باب کے بعد کیفیت و مقدمہ کا علیحدہ باب قائم کرتے بلکہ رمضان کے قیام کی فضیلت کے باب کے آخر میں یہ حدیث نقل کرنے سے ان کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ تہجد کو متوجہ کیا

جائے کہ رمضان المبارک میں تراویح کی وجہ سے تہجد نہ چھوڑیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر رمضان کی طرح رمضان المبارک میں بھی اس نماز کی پابندی فرمایا کرتے تھے، اس مقصود کی تائید خود امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے اپنے عمل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ رمضان المبارک میں شروع رات میں تراویح اور آخر رات میں تہجد یعنی دونوں نمازیں ادا فرماتے تھے (مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی ص ۴۸۱) (۴) کسی حدیث میں موجود نہیں کہ جو نماز سارا سال قیام اللیل (یعنی تہجد) کے نام سے پڑھی جائے گی اسے رمضان المبارک میں نام تبدیل کر کے قیام رمضان (یعنی تراویح) کہا جائے گا، مسجد نبوی میں باجماعت بیس رکعت کا اہتمام اس حدیث کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں (چودہ (۱۴) ہجری سے ان کی وفات یعنی ستاون (۵۷) ہجری تک کم و بیش بیالیس (۴۲) سال جاری رہا مگر ان کی روایات میں ان سے بیس کے عدد پر کوئی اعتراض یا انکار منقول نہیں۔ اس لئے جو حضرات اس روایت کو تراویح کی رکعتوں کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کا ایسا کرنا محض قیاس کی وجہ سے ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی بیس رکعت کی واضح حدیث موجود ہے اور اگر بالفرض اس حدیث پر امت کے تعامل کو نظر انداز کر کے اسے غیر موید (جس کی تائید موجود نہ ہو) ضعیف ترین حدیث ہی شمار کر لیا جائے تب بھی اس کے مقابلے میں قیاس قبول کرنا تو در کنار پیش بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ضعیف حدیث کو (خواہ کمزور ہی سہی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ضرور حاصل ہوتی ہے جبکہ قیاس میں اس نسبت کا نہ پایا جانا یقینی ہے۔ (۵) تراویح اور تہجد ایک نماز نہیں دو مختلف نمازیں ہیں کیونکہ تہجد کا نام قیام اللیل اور تراویح کا نام قیام رمضان ہے، دوسرے یہ کہ تہجد کی مشروعیت قرآن مجید سے (بخاری، باب التہجد باللیل) اور تراویح کی مشروعیت حدیث مبارک سے (نسائی باب ثواب من قیام رمضان) ہوئی، تیسرے یہ کہ تہجد مکہ مکرمہ میں شروع ہوئی اور تراویح مدینہ منورہ میں، چوتھے یہ کہ تہجد کے لئے افضل وقت رات کا آخری حصہ جبکہ تراویح کے لئے ابتدائی حصہ ہے، پانچویں یہ کہ تہجد گھر میں افضل ہے۔ اور تراویح مسجد میں، چھٹے یہ کہ تہجد میں ترغیب تو ہے مگر اظہار کا اہتمام نہیں جبکہ تراویح میں باقاعدہ اہتمام ہے۔

آٹھ رکعت والوں کا کہنا یہ ہے کہ جن تین راتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھائی ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد پڑھنا مروی نہیں ہے اس لئے تراویح اور تہجد دونوں ایک ہی ہیں۔ کیونکہ تہجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول وتر کے علاوہ آٹھ رکعت کا تھا۔ اس لئے نماز تراویح بھی آٹھ رکعت ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح آخری عشرہ میں پڑھائی جبکہ رمضان المبارک میں معمول مبارک پورا مہینہ (نماز مدلل از مولانا فیض احمد ملتانی ص ۱۸۹) بالخصوص آخری عشرے میں رات بھر بیدار رہنے کا تھا۔ (بخاری، کتاب الصیام باب العمل فی العشر الاواخر) اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ تیئیسویں شب تہائی رات اور پچیسویں شب نصف رات تراویح پڑھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سی عبادت فرمائی؟ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف معمول آرام فرمایا تھا یا فلاں عبادت کی تھی اس وقت تک تہجد کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ وقت بھی ایسا ہو جس میں نماز تہجد ادا کرنا ممنوع و مکروہ نہیں بلکہ افضل ہو۔

جہاں تک ستائیسویں شب سحری کا وقت ختم ہونے کے قریب تک نماز تراویح ادا کرنے کا تعلق ہے۔ اسے بھی تہجد و تراویح دونوں نمازوں کے ایک ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ نماز کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر

عمومی اور خصوصی نمازیں ایک وقت میں جمع ہو جائیں یعنی کوئی خصوصی نماز کسی عمومی نماز کے وقت میں آ جانے تو عمومی نماز ساقط ہو جاتی ہے مثلاً نماز کسوف کی وجہ سے چاشت کی نماز، عید کی وجہ سے اشراق کی نماز، جمعہ کی وجہ سے ظہر کی نماز وغیرہ مگر دین کی سمجھ رکھنے والا کوئی بھی فرد ان دو نمازوں کو ایک نماز نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح تہجد پورا سال پڑھی جانے کی وجہ سے عمومی نماز ہے اور تراویح رمضان المبارک سے مخصوص ہونے کی وجہ سے خصوصی نماز ہے۔ اس لیے اگر تراویح کی نماز، تہجد کی نماز کے وقت میں ادا ہو رہی ہو گی۔ تو نماز تہجد ساقط ہو جائے گی۔ مگر ان دونوں نمازوں کو ایک نماز نہیں کہا جائے گا۔ اور نہ ہی اس بنیاد پر ان کی رکعتیں برابر قرار دی جائیں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد آٹھ اور تین کے علاوہ دس اور تین (ابوداؤد باب صلوٰۃ اللیل، طحاوی باب الوتر) یعنی فجر کی سنتوں کے علاوہ تیرہ رکعت (موطا امام مالک باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الوتر) بھی مروی ہے جس کا اعتراف خود آٹھ رکعت کے قائلین کو بھی ہے (صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۶۷) اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب غیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ کا عمل موجود ہے تو پھر تراویح و تہجد کو ایک نماز سمجھنے والوں نے خصوصی ترغیب کے مہینے یعنی رمضان المبارک میں قولاً گیارہ کو اور عملاً نو کو دائمی معمول کیسے بنا لیا؟

جلیل القدر تابعی یحیٰی بن سعید سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ (آثار السنن باب فی التراویح بعشرین رکعۃ)

(۱) اسے ابن ابی شیبہ نے وکیع سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے یحیٰی بن سعید سے روایت کیا ہے اور یہ چاروں حدیث کے حافظ بھی ہیں اور امام بھی، اس لئے اس کی سند انتہائی عمدہ اور قوی ہے مگر کیونکہ یحیٰی بن سعید نے اس راوی کا نام ذکر نہیں کیا جس سے انہوں نے یہ روایت سنی ہے اس لئے اسے مرسل روایت کہتے ہیں۔ (۲) اہل علم کی اکثریت کے نزدیک مستند راوی کی مرسل روایت قابلِ دلیل ہوتی ہے جبکہ ان سے اختلاف کرنے والی اقلیت کی شرط یہ ہے کہ کسی مستند راوی کی صرف وہی مرسل روایت قبول کی جائے گی جس کی تائید میں کوئی اور روایت موجود ہو۔ (۳) اس روایت کے راوی یحیٰی بن سعید نہ صرف تمام محدثین کے نزدیک معتبر اور مستند ہیں (تذکرہ الحفاظ ج ۱، ص ۱۲۵) بلکہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث جس سند سے روایت کی گئی ہے یہ اس میں شامل ہیں (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی) نیز یہ کہ اس روایت کی تائید میں دیگر روایات بھی موجود ہیں اس لئے اصول حدیث کے مطابق اس روایت پر اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی البتہ ضدیت کی وجہ سے انکار کا کوئی علاج نہیں۔

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے محمد بن یوسف کے حوالے سے امام مالک روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں (موطا امام مالک باب ماجاء فی قیام رمضان) (۱) گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دیا گیا جبکہ ان سے گیارہ کی بجائے تیئیس رکعت پڑھانا ثابت ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۲، ص ۲۷۲) (۲) محمد بن یوسف سے یہ روایت کئی شاگردوں نے کی ہے اور ان میں رکعتوں کی تعداد کا اختلاف پایا جاتا ہے (اعلاء السنن جزء ۷، ص [illegible]) ایسی روایت مضطرب المتن کہلاتی ہے جو اصولِ حدیث کے مطابق قابلِ استدلال نہیں ہوتی۔ (۳)

اس روایت کے سب سے پہلے اور براہ راست راوی سائب بن یزید کا عمل آٹھ کی بجائے بیس رکعت پڑھنے کا تھا۔ (اعلاء السنن جز۷، ص ۶۰) (۴۲) اس روایت کے آخری راوی امام مالک نے بیس رکعت کا حکم (بہ روایت یحیی بن سعید) اور عمل (بہ روایت یزید بن رومان) بھی روایت کیا ہے۔ جس کی تائید دیگر روایات کے علاوہ خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ آٹھ کے نہیں بلکہ بیس تراویح اور سولہ نوافل کل چھتیس رکعت کے قائل تھے ظاہر ہے کہ جو روایت خود راوی کے نزدیک قابل عمل نہیں دوسروں کے لئے قابل عمل کیسے ہو سکتی ہے؟

جلیل القدر تابعی اور مستند محدث یزید بن رومان کہتے ہیں۔ کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان المبارک میں بیس اور تین تیئیس رکعت پڑھا کرتے تھے (موطا امام مالک باب ماجا۔ فی قیام رمضان)

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر کیونکہ معتبر سند سے ہے دوسرے یہ کہ اس کی تائید میں دیگر روایات موجود ہیں۔ تیسرے یہ کہ موطا امام مالک کی مرسل روایات میں سے ہے جن کے بارے میں محدثین کا فیصلہ ہے کہ وہ سب صحیح ہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۳، ص ۴۳)

یزید بن خصیفہ روایت کرتے ہیں کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ (السنن الکبری ج ۲، ص ۴۹۶) اس روایت کی سند صحیح ہے (آثار السنن باب فی التراویح) بعشرین رکعۃ، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جز۷، ص ۱۷۸، جز ۱۱، ص ۱۲۷ وغیرہ۔

• حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس تعداد یعنی بیس کے عدد میں کوئی تبدیلی مروی نہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں بیس رکعت کا یہ اہتمام برقرار رکھا (السنن الکبری ج ۲، ص ۴۹۶، منہاج السنہ از ابن تیمیہ ج ۴، ص ۲۲۴) گویا کہ اگر بیس رکعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ بھی مانی جائیں تب بھی اس تعداد کا خلفاء راشدین کی سنت ہونا ناقابل تردید حقیقت ہے اور ہمارے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرح خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا اور اسے مضبوطی سے پکڑنا لازم ہے۔

عبدالعزیز رفیع فرماتے ہیں کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں بیس رکعت اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ) یہ روایت بھی مرسل مگر قوی ہے۔ (آثار السنن، باب فی التراویح بعشرین رکعۃ)

(i) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی اعتراض و انکار کے بغیر بیس رکعت ادا کرنا اس تعداد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی حیثیت رکھتا ہے۔ (ii) تابعین اور تبع تابعین کے دور میں اہل مدینہ نے اہل مکہ سے نیکی میں برابری رکھنے کے لئے ان کے ہر چار رکعت کے بعد طواف کر لینے کے بدل کے طور پر چار رکعت نفل پڑھنا شروع کر دیئے اس طرح سے ان کی بیس تراویح سولہ نفل اور تین وتر کا انتالیس رکعتیں ہو گئیں (عمدۃ القاری جز۷، ص ۱۷۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر آج تک مسجد نبوی میں نماز تراویح باجماعت بیس رکعت سے کم ادا نہیں کی گئی۔

تابعین کے دور میں مکہ مکرمہ کے مفتی عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر سمیت تیئیس رکعت پڑھتے ہوئے پایا (آثار السنن باب فی التراویح عشرین رکعۃ) ان کا انتقال ۱۱۴ھ میں ہوا ان کے زمانہ میں

اہل مکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین تھے نیز امام شافعی جن کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا وہ بھی اہل مکہ کا عمل بیس رکعت ہی بتاتے ہیں (ترمذی باب ماجاء فی قیام شہر رمضان) ان کے زمانے کے لوگ تابعین تھے یا تبع تابعین۔ اس وقت سے یعنی صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک بیت اللہ کی مسجد میں تراویح کی نماز باجماعت بیس رکعت سے کم ادا نہیں کی گئی ممکن ہے کہ بعض لوگ حرم پاک میں انتظامی تقسیم کے تحت دس رکعت کے بعد امام کی تبدیلی کو غلط فہمی پیدا کرنے کا ذریعہ بنائیں اور ان سے جواباً کہا جا سکتا ہے کہ اول تو وہ حنبلی مقلد ہیں اور تم غیر مقلد ہو ان کی مثال کیوں پیش کرتے ہو، دوسرے یہ کہ امام آٹھ کے بعد نہیں دس کے بعد بدلتا ہے۔ تیسرے یہ کہ امام بدلتا ہے مقتدی نہیں بدلتے چوتھے یہ کہ دوسرا امام پہلے امام کی منزل دہراتا نہیں بلکہ اس سے آگے پڑھتا ہے۔

ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں تابعین اور تبع تابعین کے ناموں کے ساتھ پانچ تراویح یعنی بیس رکعت پڑھانے اور بیس سے زیادہ رکعتیں (بیس کے علاوہ باقی بطور نفل) پڑھنے کی متعدد روایتیں موجود ہیں مگر باجماعت آٹھ رکعتوں کی کوئی راویت موجود نہیں۔

فقہ کے چار مشہور اماموں میں سے تین امام یعنی امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ان کے علاوہ امام ابو یوسف۔ امام محمد۔ سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ بیس رکعت اور ایک امام یعنی امام مالک (بیس تراویح اور سولہ نفل) چھتیس رکعت کے قائل ہیں (عمدۃ القاری ج ۷، ص ۱۷۸) اور ان کے مقلدین کی وجہ سے تیرہویں صدی ہجری کے آغاز تک یعنی اہل حدیث کے نام سے ایک مذہبی گروہ کو وجود میں آنے اور باقاعدہ جماعت کی شکل اختیار کرنے سے پہلے تک پوری دنیا میں ہر جگہ باجماعت بیس رکعت ادا کی جاتی تھیں۔ (قیام اللیل یا دیگر نوافل ان کے علاوہ تھے) اور اس دور میں یعنی بارہ صدیوں میں کوئی ایک مثال بھی آٹھ رکعت کی موجود نہیں۔ اور سب سے پہلے اس کا یعنی آٹھ رکعت کا مساجد میں باقاعدہ آغاز ۱۲۸۴ھ (۱۸۷۳ء) میں یعنی آج سے تقریباً سوا سال پہلے برعظیم پاک و ہند میں مولانا محمد حسین بٹالوی کے فتوی سے ہوا۔

اصطلاحاً ہر رکعت کو ایک تراویحہ کہتے ہیں لہذا آٹھ رکعت کو ترویحتان کہا جائے گا نہ کہ تراویح کیونکہ تراویح کم از کم تین ترویحوں کو کہتے ہیں۔ اور اس نماز کا یہ نام ہی ظاہر کر رہا ہے کہ اس نماز کی رکعتیں آٹھ نہیں بلکہ کم سے کم بارہ یا اس سے زیادہ یعنی سولہ بیس وغیرہ ہیں کیونکہ ان میں سے روایت، تعامل اور اجماع سے بیس کا عدد ثابت ہے اس لئے نماز تراویح خاص رمضان المبارک کی اس نماز کو کہا جائے گا جو بیس رکعتوں پر مشتمل ہے۔

بقیہ از ص 32

مجاہدین فلسطین اسرائیلی گولیوں کی زد پر رہیں گے۔ اگر عرب دنیا مجاہدین کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے اور ان کی مدد کرے تو یہ شیخ و بہادر فرزندان اسلام جلد یا بدیر خود ہی قبلۂ اول کی بازیابی کی خوشخبری کا باعث بنیں گے۔ یہ محض خوش فہمی نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے جو اظہر من الشمس ہے۔ یہی شہدائے بالاکوٹ کے پاک و پوتر خون کی پکار ہے۔ جس کے عملی نتائج ماضی کی نسبت حال اور مستقبل کے چہرے پر بہ آسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔